

ماہنامہ الفرقان اور نقیب کے ادارے

بھارت کے مسلمان رہنماؤں کے تاثرات

المیہ مشرقی پاکستان

مسلمانوں کے بگاڑے ہوئے ذہن کی اصلاح نہ کر سکنے کا نتیجہ

★

سقوطِ مشرقی پاکستان پر بھارت کے ممتاز مسلمان علماء اور رہنماؤں کے تاثرات کا کچھ اندازہ پیش نظر دو اداریوں سے لگایا جاسکتا ہے۔ پہلا ادارہ معروف ماہنامہ الفرقان نکھنوا کا ہے۔ شہرہ آفاق عالم حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کا لکھا ہوا — دوسرا ادارہ معاصر نقیب بھلوار می پٹنہ کا ہے۔ ”سنہ“

★

گزشتہ مارچ سے جب سے کہ مشرقی بنگال میں ان خونیں واقعات کا سلسلہ شروع ہوا تھا جو بالآخر ہندوستان و پاکستان کے درمیان جنگ کا باعث بنے اور پھر جس کے نتیجے میں مشرقی بنگال کا تعلق پاکستان سے ختم ہو گیا۔ راقم سطوہ کو تحریک پاکستان کے اس طوفانی دور کے، جو اس وقت کے اسرائیل ہند دیول کی بلائی ہوئی کانفرنس (۱۹۴۵ء) کے بعد سے شروع ہوا تھا۔ بعض تکلیف دہ واقعات اور مناظر اس طرح یاد آتے رہے گویا کہ وہ اب آنکھوں کے سامنے ہو رہے ہیں۔

اس وقت جداگانہ انتخاب رائج تھا۔ عام مسلمان جن کی غالب اکثریت سیاسی فہم و شعور سے بالکل خالی تھی (اور دین کے علم و عمل کے لحاظ سے بھی جن کا حال ایسا ہی تھا مگر اسلام کے نام سے ایک گہرا جذباتی تعلق رکھتے تھے) ان کی حمایت اور ان کے ووٹ تحریک پاکستان کے حق میں حاصل کرنے کے لئے پاکستان کی جدوجہد کو ایک ”مقدس جہاد“ بنا دیا گیا تھا، اور عوام کے دلوں میں صرف لغو اور جھوٹوں کے ذریعہ ایسا جوش بھڑکایا گیا تھا کہ وہ اس کے نتائج و ثمرات اور منافع و مضرات کو سمجھنے کے لئے کسی بات کے سنے اور اس پر غور کرنے کے لئے تیار ہی

نہیں ہو سکتے تھے۔ انہیں باور کرایا گیا تھا کہ پاکستان کی حکومت لا الہ الا اللہ کی عملی تفسیر اور اس بیسویں صدی کی دنیا کے لئے "اسلامی حکومت" اور "خلافت اسلامیہ" کا نمونہ ہوگی اور وہاں قرآن کی حکمرانی ہوگی اور تقسیم کے بعد ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کے شہری و ملی حقوق کی بھی وہ محافظ ہوگی۔

یہ لوگ اس وقت اتنی موٹی بات سمجھنے کے لئے بھی تیار نہیں تھے کہ آج کی دنیا میں کوئی ملک دوسرے ملک کے شہریوں کا محافظ نہیں بن سکتا، اور کسی ملک کے شہری دوسرے کسی ملک سے ایسا رابطہ نہیں رکھ سکتے۔ اور اگر ایسا کریں گے تو اپنے لئے مزید سنگین مشکلات پیدا کریں گے۔

اور اس سے بھی موٹی اور کھلی آنکھوں نظر آنے والی اس حقیقت پر غور کرنے کے لئے بھی یہ بیچارے اس وقت تیار نہیں تھے کہ جو لوگ تحریک پاکستان اور اس کی علمبردار مسلم لیگ کے صنفِ اول کے قائدین تھے۔ ان میں سے بہت سوں کا دین سے تعلق بظاہر برائے نام سا ہی تھا۔ انہوں نے اپنی ذات اور اپنے گھرانہ پر بھی حکومت کرنے کی اجازت کبھی اسلام اور اس کی شریعت کو نہیں دی تھی، ان سے یہ توقع کرنا کہ وہ اسلامی نصب العین کے مطابق حکومت قائم کریں گے اور وہاں شریعت کی حکمرانی ہوگی، زانیوں اور شرابیوں کو درے مارے جائیں گے۔ وغیرہ وغیرہ ببول کے درخت سے آم اور اٹلی کے درخت سے امرود حاصل کرنے کی امید سے کم عجیب بات نہیں تھی بلکہ لیکن بیچارے عام مسلمانوں اور خاص کر نوجوانوں کو ایسا ہی دیوانہ بنا دیا گیا تھا کہ وہ اس پر پورا یقین رکھتے تھے۔

۱۔ اس موقع پر بے اختیار ایک واقعہ ذکر کرنے کا جی چاہتا ہے۔ جو اسی زمانہ میں (یعنی اب سے ۲۷-۲۸ سال پہلے) عبرت آموزی کے لئے "الفرقان" میں شائع کر دیا گیا تھا۔ یہاں اسی سے نقل کیا جا رہا ہے۔ پنجاب کے میرے ایک دوست جو ہر طرح ثقہ اور قابل اعتماد ہیں اور دینیوی جاہ و منصب کے لحاظ سے بھی بہت بلند مقام ہیں۔ اور سیاسی مسلک کے لحاظ سے مسلم لیگی یا مسلم لیگ سے قریب تر ہیں، خود انہوں نے راقم سطور سے اپنا یہ واقعہ بیان کیا کہ مسلم لیگ کے ایک لیڈر عظیم سے انہوں نے ایک ملاقات میں نماز کے لئے کہا اور نماز کی دینی اہمیت ان پر واضح کی۔ سب کچھ سننے کے بعد ان لیڈر عظیم صاحب نے کسی قدر برا فروختہ ہو کر انگریزی میں فرمایا: "کیا وقت کا تقاضا

پھر یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ ملک کی تقسیم کو غلط اور بحیثیت مجموعی مسلمانانِ ہند کے لئے نقصان رساں یقین کرتے ہوئے اس کی سخت مخالفت کرنے والے مسلمانوں میں سے ان کے اکثر وہ علمائے دین تھے جو دین سے علمی اور عملی تعلق میں امتیاز رکھنے کے علاوہ اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے قربانیوں کے لحاظ سے بھی اپنی ایک خاص تاریخ رکھتے تھے اور مسلمانوں میں سیاسی حرکت و بیداری کے آغاز ہی سے وہ سیاست کے میدان میں تھے، ان کی زندگیوں کا خاصہ حصہ انگریزی اقتدار کے خلاف لڑتے ہوئے جیلوں میں گزرا تھا۔ اور کم سے کم ملک کے پڑھے لکھے مسلمان اس کو جانتے تھے۔ لیکن اس وقت فضا ایسی بنادی گئی تھی کہ اللہ کی پناہ! مسلمانوں کا بڑا طبقہ ان کو بھی دشمنِ اسلام سمجھتا اور ان کی بات سننے کے لئے تیار نہیں تھا۔

خود راقم السطور اس وقت بلکہ کئی سال پہلے سے سیاسی اور خاص کر انکشتی ہنگاموں سے عملاً بے تعلق رہنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ لیکن مسلمانوں کے بہت بڑے طبقہ نے خاص کر ان کے ”تعلیمیات“ طبقہ نے اس انکشتی جنگ میں اسلامی تہذیب و شرافت، شرعی احکام، اخلاقی اقدار اور معقولیت و سنجیدگی کے تقاضوں کو مسترد کر کے صرف جوش و جذبات کی رو میں بہنے اور پھر ہر ناکرونی کر گزرنے کا جو رویہ اپنا لیا تھا۔ اس سے سخت روحانی کوفت بھی تھی اور یہ فکر بھی تھی کہ اس نسل کا کیا انجام ہوگا۔ جس کو ملک و ملت کے بڑے بڑے مسائل کے بارے میں بھی عقل و ہوش اور غور و فکر سے کام لینے کے بجائے اندھے جوش و خروش اور غنڈہ گردی کا عادی بنایا جا رہا ہے۔ اس لئے اس صورتِ حال پر اپنے اضطراب اور فکرِ مندی کا اظہار کبھی کبھی الفرقان کے صفحات پر بھی ہو جاتا تھا اور شدتِ احساس سے اس کا اندازہ کبھی بہت تلخ بھی ہو جاتا تھا۔

نومبر ۱۹۴۵ء میں جبکہ چند روز کے بعد مرکزی اسمبلی کا انکشن ہونے والا تھا۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ انکشتی بہم ہی کے سلسلہ میں بریلی تشریف لائے، ان کی اور ان کے رفقاء کی رائے پورے مشرق اور یقین کے ساتھ یہ تھی کہ ملک کی تقسیم ہندوستانی مسلمانوں کے لئے مفید نہیں بلکہ سخت مضر

ان باتوں کے لئے ہے۔ اس جواب کے بعد بھی ہمارے ان مبلغ دوست نے بطرز حسن اپنی تبلیغ جاری رکھی اور ان کو بتلایا کہ اسلام میں نماز کی اہمیت دوسری تمام چیزوں سے زیادہ ہے اور آپ چونکہ قوم کے سب سے بڑے لیڈر ہیں اس لئے قوم بھی یہ چاہتی ہے کہ آپ نماز پڑھیں۔

ان لیڈر اعظم نے یہ سب سننے کے بعد ایک خاص انداز میں فرمایا: ”کیا مصطفیٰ اکمال نماز پڑھتا تھا۔“ (الفرقان - ج ۶ ص ۶۵)

ہوگی، جن صوبوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں۔ جیسے یوپی بہار وغیرہ (جو ہندوستان میں اسلامی تہذیب و ثقافت کے مراکز ہیں اور اصل مسائل انہیں کے ہیں) تقسیم کے بعد ان کی مشکلات اور زیادہ بڑھ جائیں گی، اور جن صوبوں میں وہ اکثریت میں ہیں۔ وہاں تو دفاتی نظام حکومت میں اختیار و اقتدار بہر حال ان ہی کے ہاتھ میں رہے گا۔ اپنی اس دیانتدارانہ رائے کی بنیاد وہ مسلم لیگ کے مطالبہ تقسیم کے مخالفت تھے اور چونکہ فیصلہ کا دار و مدار مسلم سیٹوں کے الیکشن کے نتائج پر تھا۔ اس لئے مسلمانوں کو اپنا نقطہ نظر سمجھانے اور اپنا ہم خیال بنانے کے لئے وہ پوری طرح سرگرم تھے۔ اور اس کو اسلام اور مسلمانوں کی خدمت اور اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اس مہم کے سلسلہ میں وہ ۲۰ نومبر ۱۹۴۵ء کو بریلی بھی تشریف لائے، راقم السطور کا قیام اس زمانہ میں بریلی ہی تھا، الفرقان وہیں سے نکلتا تھا۔ شہر کے مرکزی مقام "کتب خانہ" کے پارک میں جلسہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ بعد عشا کا وقت تھا۔ اس عاجز نے بھی جانے اور سننے دیکھنے کا فیصلہ کیا اور جلسہ گاہ کے قریب ایک ذرا بلند جگہ پر کھڑے ہو کر دیکھنا سننا اپنے لئے زیادہ مناسب سمجھا۔ پھر جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا، وہ ایسا تھا کہ اگر میں خود نہ دیکھتا اور کوئی دوسرا بیان کرتا تو ہرگز یقین نہ آتا۔ جیسے ہی حضرت مولانا اور ان کے رفقاء جلسہ گاہ میں تشریف لائے اور جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی، مخالفین کے ان گروہوں اور ٹولیوں کی طرف سے جو پہلے سے جلسہ گاہ کے ارد گرد کھڑے تھے، مخالفانہ نعروں اور غنڈہ گردی کا ایک طوفان اور ہنگامہ شروع ہو گیا۔ اپنا یہ مشاہدہ اور اس کے بارہ میں اپنا کچھ تاثر بھی اس وقت الفرقان میں لکھا گیا تھا۔ اس کی چند سطریں یہ ہیں :

بدتمیزی اور حیوانیت کا ایک عبرتناک طوفان اور ہنگامہ تھا، کوئی دور سے جوتا دکھا رہا ہے۔ کوئی ہاکی اٹھا رہا ہے۔ کوئی پیپا بجا رہا ہے۔ کوئی کسی دوکان کے سامیان کاٹمین یا سین بورڈ پیٹ رہا ہے۔ کبھی سب مل کر تالیاں بجا رہے ہیں، کبھی جانوروں کی بولیاں بولی جا رہی ہیں۔ پھر اس ساری غزل کا مقطع یہ تھا کہ جلسہ گاہ کے ارد گرد شرک کی کٹائی کے لئے پتھروں کے جو ڈھیر لگے ہوئے تھے، پہلے تو جلسہ پر اکا دکا پتھر پھینکے گئے اور پتھروں ہی سے گیس کے ہنڈے توڑ کر اندھیرا کر دیا گیا۔ اور آخر میں چند ٹولیوں نے پتھر کے ان ڈھیروں پر کھڑے ہو کر اس قدر بے دردی کے ساتھ بے تحاشا پتھر برسائے کہ اگر یہ سب پتھر جلسہ ہی پر گرے تھے تو حاضرین میں سے شاید کوئی ایک بھی صحیح سالم نہ رہتا۔۔۔۔۔

بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مہذب اور تعلیم یافتہ فیشنبل صاحبزادوں کے لباس میں لایسقل حیوانوں کا ایک انبوہ ہے۔ جو اپنی انسانی حیثیت کو بالکل فراموش کر کے حیوانیت و درندگی کا یہ مظاہرہ کر رہا ہے۔

پھر اس تحریر کے آخر میں اس وقت کے قائدین مسلم لیگ کو مخاطب کر کے عرض کیا گیا تھا۔

”ٹھنڈے دل سے سوچنے کی بات ہے کہ جن بیچارے جاہلوں، ان پڑھوں یا اسکولوں کا بچوں میں تعلیم پانے والے جن نوخیز و ناتجربہ کار جذباتی نوجوانوں کے ذہن

کو غلط تربیت دے کر آپ آج مولانا حسین احمد مدنی جیسے بزرگوں کی بے عزتی کراتے ہیں۔ (دین و ملت کے لئے جن کی قربانیوں کی شاندار تاریخ بھی ہے) کل

ایسا دن بھی آسکتا ہے۔ کہ یہ بگڑی ہوئی ذہنیت کسی اختلاف کے موقع پر خود آپ

کے ساتھ بھی ایسا ہی یا اس سے بھی بدتر برتاؤ کرے۔“ (الغفران۔ ذیقعدہ ۱۳۶۲ھ)

بریلی کا یہ واقعہ تو خود اپنی آنکھوں نے دیکھا تھا، اس کے علاوہ اس دور میں یوپی، بہار اور پنجاب کے بہت سے مقامات پر خاصکر حضرت مولانا مدنیؒ کے ساتھ انتہائی بدتمیزی کے اس طرح کے واقعات بار بار ہوئے تھے۔ اسی طرح اسی زمانہ میں مولانا آزادؒ کے ساتھ جبکہ وہ کلکتہ سے دہلی کے لئے سفر کر رہے تھے علی گڑھ اسٹیشن پر جو کچھ کیا گیا تھا، اس کی شرمناک اور تکلیف دہ تفصیلات اخبارات میں آئی تھیں، بہت سوں کو اب تک یاد بھی ہوں گی۔

ان واقعات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ پاکستان کی تحریک جس طرح چلائی گئی تھی اس نے مسلمانوں اور خاصکر نوجوانوں کی تفکر اور عاقبت اندیشی کی صلاحیت اور سنجیدگی و متانت کو کتنا برباد کیا، اخلاقی معیار کو کتنا گرایا اور کس قدر غلط تربیت کی۔ اور پھر کبھی اس بگاڑ کی اصلاح کی فکر نہیں کی گئی۔

جو شخص بھی پاکستان کے قیام خاصکر لیاقت علی خاں مرحوم کے سیاسی قتل سے سے کر اس وقت تک کے دہاں کے انہوستانک اور المناک واقعات و حوادث پر گہری نظر ڈالے گا وہ محسوس کرے گا۔ کہ قوم کا جو ذہن پاکستان کی جدوجہد میں بگاڑا گیا تھا اور تفکر و مفاہمت اور تعمیری نقطہ نظر کی بجائے تخریب و تصادم، غنڈہ گردی اور زور دستی کا جو مزاج بنایا گیا تھا وہ جوں کا توں باقی رہا بلکہ بعد میں آنے والی نسل کو بھی میراث میں ملا، اور اس کے تلخ نتائج مختلف شکلوں میں دہاں ظاہر ہوتے رہے ہیں اور اب سب سے آخر میں مرحوم مشرقی پاکستان میں بنگالی مسلمانوں نے اپنے غیر بنگالی مسلمان بھائیوں کے ساتھ اور پھر غیر بنگالی مسلمانوں نے اپنے بنگالی بھائیوں کے ساتھ جو کچھ کیا اور اب اس کے

جواب میں جو کچھ ہو رہا ہے اور زیادہ تر اسکولوں، کالجوں میں تعلیم پانے والے لڑکوں ہی کے ہاتھوں ہو رہا ہے۔ وہ اصولی اور بنیادی طور پر وہی ہے جس کا عادی ان کو تحریک پاکستان کی جدوجہد میں بنایا گیا تھا۔ وہ اس کی ابتدا تھی اور یہ اس کی انتہا ہے۔ دوسرے اقتصادی، معاشی اور سیاسی عوامل و محرکات سے انکار نہیں لیکن اگر ذہنیوں میں وہ فساد نہ ہوتا تو اختلافات کا انجام ہرگز یہ نہ ہوتا۔

اس موقع پر دلی دکنہ کے ساتھ اس کا اظہار بھی ضروری ہے۔ کہ اگرچہ قیام پاکستان کے پہلے دن سے سورج کی روشنی کی طرح یہ بات برابر ظاہر ہوتی رہی ہے کہ تحریک پاکستان کے سلسلہ میں اسلام کا نام لے کر جو کچھ باور کرایا گیا تھا۔ اور نادانی و سادہ لوحی سے جس پر یقین کر لیا گیا تھا۔ وہ صرف دھوکہ تھا، وہاں ایک دن کے لئے بھی اللہ کے دین اسلام کی حکومت نہیں ہوئی بلکہ وہ بے پیارہ محکوم اور مظلوم ہی رہا اور ہے۔ اسی طرح وہاں کے ارباب اقتدار نے ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ وہی رویہ رکھا ہے۔ جو عموماً حکومتیں غیر ملکیوں کے ساتھ کرتی ہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے طرز عمل سے ہمیشہ ہماری مشکلات میں کچھ اضافہ ہی کیا ہے۔ جسے ہر وہ شخص سمجھ سکتا ہے جس کو اللہ نے ان باتوں کی کچھ سمجھ بوجھ دی ہو۔ لیکن افسوس ہے کہ یہاں بھی مسلمانوں میں ایک اچھا خاصا طبقہ موجود ہے جس کا ذہن ۲۵ سال کے اس تجربہ کے بعد بھی نہیں بدلا ہے۔ اور اسکی خوش فہمی و خوش اعتقادی اور جذباتیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس کا سب سے بڑا ضرر یہ ہے۔ کہ یہ بے پیارے ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل کو کبھی صحیح روشنی میں نہیں دیکھ سکتے اور ان کے حل کرنے کے لئے کبھی صحیح راستہ نہیں اپنا سکتے، بلکہ اس کی راہ میں مشکلات ہی کا سبب بن رہے ہیں۔ (امفرقان لکھنؤ ماہ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ)

کیا ہم میں غلطی تسلیم کر لینے کی جرات ہے؟

(جناب شاہد رام نگری۔ ایڈیٹر نقیب پھلواڑی شریعت پٹنہ)

یہ دنیا مسلسل تبدیلیوں اور سپیم انقلابات کا نام ہے۔ اس کا رخائے عالم میں نہ کسی شے کو قرار و قیام ہے۔ نہ ثبات و دوام، ہر صبح کی مقدار میں شام ہے اور ہر شب تاریک و صبح کی نقیب و پیامبر، افراد کا معاملہ ہر یاقہ پوں کا کوئی بھی تیز و تبدیل کے اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ زندہ قومیں ہر لمحہ انقلابات کو خوش آمدید کہنے کے لئے تیار رہتی ہیں۔ تبدیلیوں سے سرمایہ ہونے کے بجائے وہ ان کو اپنی ترقی اور کامیابی و کامرانی کا زینہ بنالیتی ہیں، تبدیلیوں کے خوف سے الگ تھلک رہنا یا بے غمی اور بے حسی کی زندگی